

مولانا وحید الدین خان صاحب انڈیا

مولانا الیاس

ان کا تبلیغی مشن

اکتوبر ۱۹۳۰ء کا واقعہ ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبال اپنے لاہور کے مکان میں آرام کر رہے تھے۔ حقہ سنانے کے لئے ان کے پاس ایک شخص داخل ہوتا ہے علیک سلیک اور رسمی مزاج پرہیزی کے بعد گفتگو شروع ہوتی ہے۔

”آپ ایک کتاب لکھتے“ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

”کیسی کتاب“ نووارد نے پوچھا۔

تحقیقات کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کے قصبات اور دیہات میں ہزار ہا غیر مسلم حلقہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان از خود مسلمان ہونے والوں سے ملے اور ان سے قبول اسلام کا سبب دریافت کرے ایک کتاب میں جمع کر دے تو اس سے تبلیغ اسلام کے مقصد کو بے حد تقویت حاصل ہوگی۔

”کیا صداقت اسلام کے متعلق پہلے دلائل ناکافی ہیں“

”بہت کافی ہیں مگر ایسا کرنے سے کئی ایسے عجیب اور جدید دلائل آپ کو ملیں گے کہ دنیا حیرت زدہ رہ جائے گی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ دل اور دماغ کے کام کرنے کے طریقوں میں بہت فرق ہے۔ دماغ اکثر اوقات ہزار ہا مضبوط دلائل کو مسترد کر دیتا ہے اور ان کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن دل اس کے برعکس بعض اوقات کمزور سے کمزور چیزوں سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی جھٹکے میں زندگی کا سارا نقشہ بدل جاتا ہے قبول اسلام اتنا دل سے اس قدر دل سے ہے، دماغ سے نہیں۔ اصل بات جو مبلغ کو معلوم ہونا چاہیے یہ ہے کہ وہ کون کون سے شتر ہیں جن سے دل متاثر ہوا کرتا ہے۔ کفار اور مشرکین کے انقلاب حیات کی ہزار ہا مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنے حالات کے تحت ایک خیال یا ایک مذہب پر چٹان کی طرح قائم رہتا ہے۔ ناگہان غیب سے اس کے دل پر ایک نشتر چلتا ہے۔ اور چشم زدن میں اس کی زندگی کی تمام گزشتہ تاریخ

بدل جاتی ہے صداقت اسلام کے عقلی دلائل تو آپ کے پاس بہت ہیں مگر قلبی دلائل کم ہیں اگر آپ نوید کے پاس جائیں تو وہ بتائیں گے کہ اسلام کی وہ کونسی بے ساختہ ادالت تھی جو ان کے دل کو بھاگتی۔ اگر ان بیانات ایک کتاب میں جمع کر دے جائیں تو مجھے یقین ہے کہ انقلاب حیات کی ایک بالکل نئی دنیا ہلنے کے سامنے آجائے گی اور انہیں شاعت اسلام کے لئے ایسے نئے دلائل یا جدید ہتھیار مل جائیں گے جو اسلام کا موجودہ کتب خانہ خالی ہے۔

اس کے بعد مثال کے طور پر چند واقعات بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر اقبال نے مزید کہا۔
 ”قبول اسلام میں اصل چیز دل ہے جب دل ایک تبدیلی پر رضا مند ہو جاتا ہے اور کسی بات پر قرار ہے تو پھر باقی تمام جسم پر اس کے سوا کچھ نہیں کرتا کہ وہ اس تبدیلی کی تائید کے لئے وقف ہو جائے۔
 ہمیں اسلام کے قدیم و جدید مبلغوں میں ایک واضح فرق نظر آتا ہے۔ قدیم مبلغوں کا وار غیر مسلموں دلوں پر ہوتا تھا۔ وہ اپنی للہیت، نفسی، خوش خلقی اور احسان و مروت کی جادو اثر دواؤں سے دلوں کو گرویدہ کرتے ہیں اور اس طرح ہزار ہا لوگ از خود بغیر کسی بحث و تکرار کے ان کے رنگ میں رنگ ہلے۔ مگر جدید مبلغوں کا سارا زور دماغ کی تبدیلی پر صرف ہوتا ہے وہ صداقت اسلام پر ایک دلیل دے ہیں۔ مقابلہ میں دوسری حجت غیر مسلم پیش کرتے ہیں اس پر بحث و تقریر شروع ہو جاتی ہے۔ مسلمان بات پر اڑ جاتا ہے غیر مسلم اپنے قول پر تن جاتا ہے۔ اس سے ضد پیدا ہو جاتی ہے اور ہدایت ختم ہو جاتی ہے۔ مبلغین اسلام کو دلوں کے متاثر کرنے کے لئے نکلنا چاہئے یا دماغوں کے“

ڈاکٹر اقبال نے مزید تفصیل کرتے ہوئے کہا

اس کے فیصلے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم فطرت کی روش کی پیروی کریں۔ غور کرنے سے معلوم ہوا فطرت اپنی فتوحات حاصل کرنے کے لئے اپنا تعلق ہمیشہ دلوں سے جوڑتی ہے۔ فطرت کھانے میں لذت کرتی ہے۔ اور آپ اسے بے اختیار کھا جاتے ہیں۔ اس وقت ایک بھی شخص دماغ سے یہ نہیں بچتا کھانا طبعی لحاظ سے مفید ہوگا۔ آپ کہیں جارہے ہوتے ہیں کہ ناگہاں بچوں کی ایک خوش نمازین اور جو کا ایک حسین نظارہ سامنے آ جاتا ہے۔ آپ وہاں بے اختیار بیٹھ جاتے ہیں وہیں ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آتا ہے۔ اور آپ کو میٹھی نیند سلا دیتا ہے۔ اس وقت کوئی بھی شخص دماغ سے یہ نہیں بچتا مجھے سونا چاہئے یا نہیں۔ مختصر یہ کہ فطرت ہر کام میں اسی طرح دلوں کو گرویدہ کر کے مطلب نکالتی ہے۔ دماغوں کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتی۔

اسلام چونکہ سرسبز نور فطرت ہے اس واسطے مبلغین اسلام کو چاہئے کہ اخلاق و محبت کی گ

سے دلوں کو اس طرح شکار کریں کہ ان میں سرکشی اور انکار کی سکت ہی باقی نہ رہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مبلغ اسلام، اسلامی گیر گیری کی عظمت کے مالک ہوں تاکہ سرکش سے سرکش آدمی بھی ان کے سامنے اپنی گردن جھکا دے۔ باقی رہے دماغی مباحث اور عقلی تکرار۔ تو اس سے نہ تو دل مطمئن ہو سکتے ہیں نہ منقلب ہو سکتے ہیں اور نہ فطرت رام ہو سکتی ہے۔

شاید یہ کہنا صحیح ہو گا کہ مولانا الیاس صاحب کی ذات اور ان کی پھیلائی ہوئی تبلیغ، کم از کم مسلمانوں کے اندر کام کی حد تک، ڈاکٹر اقبال کے اسی خواب کی تعبیر ہے۔ مولانا کی پوری زندگی اور تبلیغی تحریک کی پوری تاریخ اس طریق تبلیغ کی مثالوں سے بھری پڑی ہے اور اس کے حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ یہاں واقعات کو جمع کرنا مقصود نہیں ہے۔ میں اصل مدعا کو واضح کرنے کے لئے صرف ایک مثال نقل کروں گا۔

ایک عربی مدرسہ کے کچھ طلباء مولانا الیاس صاحب کے یہاں حاضری کے لئے نظام الدین گئے۔ ان میں ایک نہایت شہیر طالب علم تھا جس کو اس کے ساتھیوں نے کہہ سن کر وہاں جانے کے لئے راضی کیا تھا پہلے کو تو وہ طالب علم چلا گیا۔ مگر جب رات ہوئی اور لوگ سو گئے تو کچھ کو لے کر سینما دیکھنے کے لئے دہلی روانہ ہو گیا۔ ان لوگوں کو نظام الدین سے دہلی جانے کے لئے بس مل گئی مگر دوسرا شہر دیکھ کر جب وہ فارغ ہوئے تو واپسی کے لئے کوئی بس نہیں تھی مجبوراً رات کو یہ لوگ دہلی میں رو گئے۔

یہاں نظام الدین میں صبح کی نماز کے بعد حسب معمول جب مولانا الیاس صاحب وعظ کے لئے ممبر پر بیٹھے تو انہوں نے کہا۔

مدرسہ کے لوگ جو کل شام کو آئے ہیں وہ سب قریب آجائیں۔ اس وقت وہاں صرف دو طالب علم تھے مولانا نے کہا خیر انتظار کیجئے۔ وہ لوگ شاید ضروریات کے لئے کہیں گئے ہوں گے واپس آجائیں گے تو گفتگو شروع ہوگی۔ مگر وہ لوگ کافی دیر بعد نظام الدین پہنچے اب ان کا معاملہ مشتتبہ ہو گیا۔ نیز بعض ذریعوں سے بھی معلوم ہو گیا کہ وہ لوگ سینما دیکھنے کے لئے دہلی گئے ہوئے ہیں۔

اس وقت مذکورہ مدرسہ کے ناظم صاحب بھی نظام الدین میں موجود تھے انہیں جب معلوم ہوا کہ طلبہ نے یہاں آکر اس قسم کی ”بے ہودگی“ کی ہے تو وہ سخت برہم ہوئے۔ مذکورہ طالب علم کے بارے میں پہلے ہی سے ان کی رائے خراب تھی کیونکہ مدرسہ میں بری عادتوں کی وجہ سے کافی بدنام تھا وہ اس قدر ڈھیٹ ہو چکا تھا کہ ایک بار مدرسہ کی انجمن کے لئے چندہ وصول کرنے گیا اور اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے ۲۰ ہزار روپے وصول کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر روپیہ ملا تو اس نے پورے روپیہ کی ناولیں خرید ڈالیں اور ان کے پارسل

انجمن کے کتب خانہ کے نام روانہ کرتے۔ یہاں جب ذمہ داران مدرسہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بندھے ہوئے
بنٹل بازار میں بھیجا دئے۔ اور انہیں روئی میں فروخت کر دیا۔

رات کے واقعہ کے بعد سارے واقعات ناظم صاحب کے ذہن میں آ گئے۔ اس سے پہلے اس کو سمجھانے
بجھانے کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ انہوں نے سوچا کہ اب یہ لڑکا ناقابل اصلاح ہو چکا ہے
اور مدرسہ کو مزید بدنامی سے بچانے کے لئے اس کا فوراً اخراج ہونا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے مدرسہ کے
صدر مدرس کو خط لکھا کہ فلاں طالب علم نے یہاں آکر ہمارے مدرسہ کو سخت بدنام کیا ہے۔ ان کے نام فوراً
مدرسہ سے خارج کر دئے جائیں۔

ادھر جو صاحب اس طالب علم کو کہہ سن کر نظام الدین لے گئے تھے وہ پریشان ہوئے ان کی سمجھ میں
آیا کہ مولانا الیاس صاحب سے یہ تمام بات کہہ دی جائے چنانچہ تنہائی میں حاضر ہو کر انہوں نے مولانا کو پورا
واقعہ بتا دیا۔ مولانا نے کہا ٹھیک ہے فکر نہ کرو واللہ تعالیٰ سب درست فرما دے گا۔

اس کے بعد عصر کی نماز پڑھ کر جب شام کی مجلس ہوئی تو مولانا نے کاغذ قلم اور لفافہ منگوایا اور مدرسہ کے ناظم
صاحب کو قریب بلا کر کہا کہ آپ کے مدرسہ کے صدر مدرس صاحب کے نام ایک خط میں املا کرتا ہوں اس کو
لکھئے۔ اس کے بعد انہیں کے ہاتھ سے اس مضمون کا خط لکھوایا کہ

”آپ کے مدرسہ سے کچھ لڑکے یہاں آتے ہیں ان سے بہت غرض ہوں۔ وہ یہاں سے بہت کچھ
لے کر جا رہے ہیں میری خصوصی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ اور آپ سے گزارش ہے کہ آپ ان
سے اعزاز و اکرام کا معاملہ فرمائیں۔ اس کے بعد ناظم صاحب سے کہا کہ آپ بھی اس پر اپنی تصدیق
لکھئے۔ ناظم صاحب نے خاموشی سے تصدیق لکھ دی۔ اور اس کے بعد مولانا نے اپنے ہاتھ سے
وہ خط لفافہ میں بند کر کے اپنے خاص آدمی کو دیا کہ جاؤ ڈاک میں ڈال دو“

اس واقعہ کا اتنا زبردست اثر ہوا کہ مدرسہ کا سب سے زیادہ شریہ طالب علم
وہاں کا سب سے زیادہ شریف اور سنجیدہ طالب علم بن گیا۔ اور تبلیغ کا باقاعدہ رکن
بن گیا۔ لوگ اس سے پوچھتے کہ تمہاری زندگی میں اتنا زبردست تغیر کیسے ہو گیا۔ تو وہ صرف ایک جملہ کہتا۔
”مولانا الیاس نے مجھے چھین لیا“

جس شخص کو مدرسہ کا علم اور ناظم کے اختیارات قابو میں نہیں لاسکے۔ اس کو اخلاق کی طاقت نے
مسخر کر لیا۔

اس طرح کے واقعات سے مولانا الیاس صاحب کی زندگی اور تبلیغی تحریک کی تاریخ بھری ہوئی ہے۔

دعا اور محبت اخلاق اور خیر خواہی نے ہزاروں قلوب کو جیتنے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تبلیغ کی زبان میں ایک عجیب تسخیری شان پیدا ہو گئی ہے۔ آپ تبلیغ کے کسی بھی جلسے میں شریک ہو کر اس کے مقررین کی تقریریں سنئے۔ آپ محسوس کریں گے کہ یہاں ایک ایسی زبان استعمال ہو رہی ہے جو ساری تحریکوں سے جدا ہے۔ اس زبان کے اجزاء ہیں۔ سادگی، گلاوٹ، حقیقت رسی، فطرت سے قریب تر استدلال، روح کو مانوس کرنے والے انداز، دل کو چھیدنے والے کلمات، اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تبلیغ کے کارکن، ڈاکٹر اقبال کے الفاظ میں دل کی راہ سے چلتے ہیں۔

اس لئے خواہ ان کے یہاں عقلی ساز و سامان کم ہو مگر دل والی باتوں کی بہتات ہے۔ اور یہ اس کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

پروگرام | مولانا الیاس صاحب نے اپنے کام کا جو ابتدائی خاکہ بنایا تھا اسے وہ چھونکات کی شکل میں بیان کرتے ہیں :-

کلمہ اسلام کو دلوں میں بٹھانا۔
نماز کو اس کی حقیقی شکل میں قائم کرنا۔
دین کا علم سیکھنا۔

اکرام مسلم۔
تفہیم وقت یعنی دینی مشاغل سے اپنے وقت کو فارغ کر کے جماعت کی شکل میں باہر نکالنا۔
تصحیح نیت اور اخلاص و احتساب

ان چھونکات کو اگر مزید گھٹایا جاتے تو اس کو تین پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کلمہ توحید، نماز اور تفہیم وقت۔
تین تینوں اجزاء دراصل ان ہی چیزوں کے تقاضے ہیں۔ جو ان کو صحیح طور پر اختیار کرنے کے بعد لازماً پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو الگ سے بیان کرنا محض وضاحت کے لئے ہے نہ کہ تعین کے لئے۔

مولانا الیاس صاحب کے اس دعوتی پروگرام کی تشریح مختلف الفاظ میں بیان کی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مولانا اس کو "حضور کے طریقہ کو زندہ کرنے کی کوشش" کا نام دینا پسند کرتے تھے۔ اور اسی قسم کے الفاظ و اصطلاحات میں اس کی اصل حیثیت میں ظاہر کرنے کے لئے موزوں ترین ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو جدید انداز میں فکر و محسوس ترین انداز میں۔ لیکن وہ لوگ جو جدید انداز میں سوچتے ہیں اور جنہیں کسی بات کی صداقت کا اسی وقت پورا اطمینان ہوتا ہے جب وہ اس کی تعبیر نفسیاتی، عمرانی یا فلسفیانہ الفاظ میں سن لیں۔ ان کے ذوق کی رعایت سے بھی اس پروگرام کے بارے میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔

مولانا ابیاس صاحب کی دعوت میں کلمہ توحید کو اولین اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس بات کا یقین کہ خدا ہی اس کائنات کا مرجع و مولیٰ ہے اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ شخص ہیں جن کے ذریعہ مکمل صداقت کا ظہور ہوا ہے۔ ایک شخص جب لالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے تو گویا وہ اپنی اس اندرونی کیفیت کا اظہار کرتا ہے کہ اس سے اس یقین کی بنیاد قائم ہوتی ہے جو انسان کے جذبات اور امنگوں کا مرکز ہے اور وہی وہ ہستی ہے جس پر اس کو سارے معاملات میں بھروسہ اور اعتماد کرنا چاہئے اور دوسری طرف یہ اعلان گویا اس بات کا اظہار ہے کہ آدمی اس احساس سے سرشار ہے کہ وہ زندگی کا راستہ پا چکا ہے اور اس سے معلوم ہو چکا ہے کہ سچائی کا سرچشمہ کیا ہے جس کی راہ نمائی میں اسے اپنا سفر طاری کھنا چاہئے۔ یہ یقین و اعتماد اور یہ شرح صدر ہی دراصل وہ چیز ہے جو سارے انقلابات کی بنیاد ہے۔ دنیا کے کسی بھی انقلاب کی تاریخ پڑھ لیجئے آپ کو ملے گا اسی قسم کا احساس۔ خواہ وہ باعتبار حقیقت صحیح ہو یا غلط کچھ لوگوں میں پیدا ہو گیا تھا اور وہی بالآخر تحریک اور انقلاب کا سبب بنا۔ فرانس کا انقلاب کیونترزم کی کامیابی اور مختلف ملکوں میں قومی آزادی کی جدوجہد دراصل اسی قسم کے احساس کی بنیاد پر شروع ہوئی اور اسی کی بنیاد پر جیتی گئی۔ ابتداءً ان میں سے کسی تحریک کے پاس نہ تو ہتھیار تھے اور نہ مال و دولت کی کثرت حتیٰ کہ آئندہ بننے والے نظام کا کوئی تفصیلی نقشہ بھی نہیں تھا۔ ان کا اول و آخر سرمایہ بس ایک تخیل تھا جو ان کے دل و دماغ میں بسا ہوا تھا۔ اور وہ یہ کہ ان پر سیاسی، معاشی یا قومی سچائی کا انکشاف ہوا ہے۔ اس احساس نے ان کے دل و دماغ میں آگ لگا دی۔ ان کی قوتوں کو مجتمع کیا۔ انہیں ستھیل سے بے پروا کر کے وقت کے خلاف کھڑا کر دیا اور انہیں ایک ایسی جھوننا نہ جدوجہد میں لگا دیا جس کا آخری انجام کامیابی ہو سکتا تھا۔

یہ اس یقین کا انجام تھا جو صرف جزئی نوعیت کا تھا اور جس کو ہم صحیح بھی نہیں سمجھتے۔ پھر وہ یقین جو کلی صداقت کی بنیاد پر پیدا ہوا اور جو فی الحاق صدائیت ہو نہ کہ صرف غلط فہمی سے صداقت سمجھ لیا گیا ہو ایسی صداقت اگر دلوں میں اتر جائے اور ایسے دن کے لئے اگر جنون پیدا ہو جائے۔ تو اس کا کیا انجام ہوگا دوسری تحریکوں نے اگر کسی جغرافیائی خطہ یا زندگی کے کسی گوشہ کے لئے ذہن کو متحرک کیا ہے تو یہ عقیدہ سارے کرہ ارض کے لئے انسان کو بے تاب کر دینے والا ہے۔ دوسری تحریکوں کے افراد اگر ملک و قوم کے نام پر توپوں کے دہانے کے آگے کھڑے ہو گئے تو وہ تحریک جس کے افراد مالک کائنات کے اعتماد پر اٹھے ہوں ان کے سیل رواں کو کون روک سکتا ہے۔ دوسری تحریک کے افراد اگر اپنے خود ساختہ تخیلات کی برتری سے لوگوں کو مرعوب کر سکتے تھے تو عالم کل اور خالق فطرت کے دے ہوئے تصورات میں جہاں گیری کی کیا طاقت ہوگی؟ (جاری ہے)